قرآن کریم کے غیر واضح الدلالة الفاظ اور انحرافی تفاسیر *The Inexplicit Words in the Qur'ān and the Issue of Misinterpretation*

Dr. Nomāna Khālid

Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Sargodah

Abstract:

Principles and grammar help to understand a language. As the Holy Qur'ān, which is the final and revealed message of almighty Allah is in Arabic so an exegetist of this holy book must be possessed full command on basic principles (Qawāid.i.Lughwiyāh Uṣūliyāh) framed by theologians (Uṣūleyīn) Mere dictionary's explanation or human intellect is not sufficient to understand the true spirit of meaning of the versus. In this article, I have tried to throw light on importance of Ghāir Waḥāḥuddalā'lah words for an exegetist, especially Mutashābehāt is very important and sensitive topic in this regard. After explaining definitions & basic rules of Ghāir Waḥāḥuddalā'lah, I have also tried to touch a few relevant deviated instances to prove their importance in interpretation of the Holy Qur'ān.

Keywords: Qawaid.e.Lughwiyāh, Khāfī, Mūshkil, Mutashābih

تعارفِ موضوع:

قرآن حکیم نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا اور زمانہ نزول سے اب تک اس کتاب کی بہت سی تفاسیر و تشریحات لکھی جاتی رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کتاب اللہ کی تفہیم و تشریح اور آیات قرآنیہ سے استنباط کے لیے عربی زبان کے قواعد کا علم ناگزیر ہے۔ علمائے اصولیین نے اسی ضرورت کے پیش نظر نہایت عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے عربی زبان کے قواعد و ضوابط کو مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے احکامات کے استخراج کی وضاحت بھی کی ہے۔ اصول فقہ کی مباحث میں بڑا حصہ انہی قواعد کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور اصولیین کے نزدیک یہ "قواعد لغویۃ اصولیۃ" سے موسوم ہیں۔ قواعد لغویۃ اصولیۃ آیات قرآنیہ کی توضیح و تشریح اور استنباط و استخراج احکام میں کلیدی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ مفسر کے لیے ضروری علوم کے متعلق "الإتقان فی علوم القرآن" میں مذکور ہے:

"أصول الفقه إذ به يعرف وجه الاستدلال على الأحكام والاستنباط۔"

(ترجمہ): یعنی "اصول فقہ" کے ذریعہ سے احکام و استنباط پر استدلال کی وجہ معلوم کی جاتی ہے۔

غلام احمد حریری لکھتے ہیں کہ "اصول فقہ ہی وہ علم ہے جس کی بناء پر آیات قرآنی سے مسائل و احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ مزید رآں عموم و خصوص اطلاق و تقييد اور اواخر و نہی کا پتہ بھی اسی علم سے چلایا جاسکتا ہے۔" بعض حضرات نے آیات قرآنیہ سے من مانی تعبیرات حاصل کرنے کے لیے محض لغت یا عقل کو بنیاد بناتے ہوئے احکام دینیہ کی نئی تعبیر پیش کی۔ ایسی من چاہی تعبیرات کو "تفسیر بالرأی مذموم" سے موسوم کیا جاتا ہے جو قابل قبول نہیں۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ "قرآن کریم کی تفسیر کے لیے جو اصول، اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہیں، ان کو نظر انداز کر کے محض رائے کی بنیاد پر تفسیر کی جائے، تو اس طرح تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔" ۲ پس "قواعد لغویہ اصولیہ" سے نابلد فرد محض اپنی عقل یا لغت سے تفسیر قرآن کی جسارت کرے تو یہ ایک مذموم فعل کا مرتکب ہے۔

قواعد لغویہ اصولیہ میں ایک اہم بحث ظہور معنی اور خفائے معنی کے لحاظ سے نظم کی تقسیم کی ہے، جسے "واضح الدلالة اور غیر واضح الدلالة الفاظ" سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مضمون میں غیر واضح الدلالة الفاظ کا مختصر تعارف اور ان سے انحرافی تفاسیر کے چند نمونے پیش کیے جائیں گے تاکہ مفسر قرآن کے لیے ان قواعد کی اہمیت کو بیان کیا جاسکے۔

غیر واضح الدلالة الفاظ میں "خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ" شامل ہیں۔ ان کے مابین وجہ حصر کچھ یوں ہے کہ اگر لفظ کے معنی پوشیدہ ہوں تو یہ دو وجوہ پر ہوگی، یا تو خفاء نفس صیغہ کی وجہ سے ہوگا یا کسی بیرونی عارض کی وجہ سے ہوگا، اگر کسی بیرونی عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو تو یہ "خفی" ہے اور اگر نفس صیغہ کی وجہ سے خفاء ہے تو یہ بھی دو وجوہ پر ہے، یا تو سیاق کلام و قرائن سے اس کی معرفت ممکن ہے یا نہیں، اگر سیاق کلام و قرائن سے معرفت ممکن ہے تو یہ "مشکل" ہے اور اگر سیاق کلام و قرائن سے معرفت کا حصول ممکن نہیں تو یہ بھی دو وجوہ پر ہے، اول یہ کہ متکلم کے بیان سے اس خفاء پر معرفت کی امید ہوگی اور دوسرا یہ کہ متکلم کے بیان کی امید بھی ختم ہوگئی۔ اگر اول ہے تو "مجمل" ہے اور اگر ثانی ہے تو "متشابہ" ہے۔

ذیل میں غیر واضح الدلالة الفاظ اور ان سے انحراف کی چند تفسیری صورتوں کو بیان کیا جائے گا، تاکہ مفسر قرآن کے لیے ان قواعد کی معرفت کی اہمیت واضح کی جاسکے۔

خفی

غیر واضح الدلالة الفاظ میں پہلی قسم "خفی" ہے، جو کہ "ظاہر" کے مقابلہ میں ہے۔ جس طرح واضح الدلالة الفاظ میں سے "ظاہر" درجہ کے اعتبار سے سب سے کم ہوتا ہے یعنی اس میں وضوح باقی تین کی نسبت کم ہوتا ہے، اسی طرح "خفی" میں خفاء باقی تین (مشکل، مجمل اور متشابہ) کی نسبت کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ طلب

اور جستجو سے خفی کو جاننا جاسکتا ہے۔ خفی کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی بیرونی عارضے کی وجہ سے خفی اپنی مراد پر خفی ہوتا ہے۔ ذیل میں "خفی" کی تعریف علمائے اصولیین کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔ علامہ مزدویؒ نے خفی کی تعریف یوں تحریر کی ہے:

"فالخفي اسم لكل ما اشتبه معناه وخفي مراده بعارض غير الصيغة لا ينال إلا بالطلب وذلك مأخوذ من قولهم اختفى فلان أي استتر في مصره بحيلة عارضة من غير تبديل في نفسه فصار لا يدرك إلا بالطلب وذلك مثل النباش والطارار وهذه في مقابلة الظاهر."^۴

(ترجمہ): پس خفی ہر وہ کلام ہے جس کے معنی میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور اس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے خفی ہو اور اسے تلاش و جستجو کے بغیر معلوم نہ کیا جاسکتا ہو اور یہ ان کے قول "اختفی فلان" سے ماخوذ ہے یعنی وہ شخص جو اپنی ذات میں رد و بدل کیے بغیر کسی عارضی حیلہ کی بناء پر اپنے شہر میں چھپ گیا ہو۔ پس وہ ایسے ہو گیا کہ اس تک رسائی طلب و جستجو کے بغیر ممکن نہیں اور طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے اسماء کی مثل ہے اور یہ ظاہر کے مقابلہ میں ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وأما الخفي فهو اسم لما اشتبه معناه وخفي المراد منه بعارض في الصيغة يمنع نيل المراد بها إلا بالطلب، مأخوذ من قولهم: اختفى فلان إذا استتر في وطنه وصار بحيث لا يوقف عليه بعارض حيلة أحدثه إلا بالمبالغة في الطلب من غير أن يبدل نفسه أو موضعه، وهو ضد الظاهر."^۵

(ترجمہ): اور خفی ایسے کلام کا نام ہے جس کے معنی مشتبه ہوں اور اس کی مراد صیغہ کے کسی ایسے عارض کی وجہ سے خفی ہو کہ جو طلب و جستجو کے بغیر مراد کے حصول سے مانع ہو اور یہ (خفی) ان (اہل عرب) کے قول "اختفی فلان" سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے وطن میں چھپ گیا ہو اور وہ اپنے پیدا کردہ حیلہ عارضہ کے ذریعے ایسا ہو جائے کہ شدید طلب و جستجو کے بغیر اس تک رسائی ممکن نہ ہو سکے، البتہ اس کا پوشیدہ ہونا اس کی اپنی ذات یا جگہ میں رد و بدل کے بغیر ہو اور خفی ظاہر کی ضد ہے۔

ملاحیون "خفی" کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"أن يكون خفاءه لعارض غير الصيغة فهو الخفي"^۶ یعنی اگر اس کا خفاء صیغہ

کے علاوہ کسی عارض کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو وہ خفی ہے۔

غیر واضح الدلالتہ الفاظ میں سب سے پہلے "خفی" شامل ہے، جس کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی ایسے عارض کی وجہ سے مخفی ہوتی ہے، جو کہ خود کلام میں موجود ہوتا ہے اور طلب و تامل کے ذریعہ ایسے عارض کو رفع کیا جاسکتا ہے۔

خفی کی مثال

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ"

(ترجمہ): جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے۔

آیت مبارکہ چور کے حکم میں واضح ہے، لیکن کفن چور اور جیب کترے کے حق میں خفی ہے^۸، کیونکہ یہ دونوں چوری کی تعریف پر پورا نہیں اترتے۔ کفن چور ایسے شخص کا مال لیتا ہے، جو اپنے مال کی حفاظت پر قدرت ہی نہیں رکھتا، جب کہ جیب کتر ایسے شخص کا مال لیتا ہے جو اپنے مال کی حفاظت پر قدرت و ارادہ رکھتا ہے، لہذا آیت مبارکہ چور کے حکم میں ظاہر ہے اور طرار و نباش کے حق میں "خفی" ہوگی۔

خفی کا حکم

علامہ مزدویؒ "خفی" کا حکم یوں بیان فرماتے ہیں:

"وَضَدُ الظَّاهِرِ الْخَفِيِّ وَحُكْمُهُ النَّظَرُ فِيهِ لِيَعْلَمَ أَنَّ اخْتِفَاءَهُ لِمُزِيَةٍ أَوْ نَقْصَانٍ فَيُظْهِرُ الْمُرَادَ۔"

(ترجمہ): اور ظاہر کی ضد خفی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے، پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"ثمَّ حَكَمَ الْخَفِيِّ اعْتِقَادَ الْحَقِيَّةِ فِي الْمُرَادِ وَوُجُوبَ الطَّلَبِ إِلَى أَنْ يَتَبَيَّنَ الْمُرَادُ"

(ترجمہ): پھر خفی کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کو حق جانتے ہوئے اس کا طلب کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ مراد بالکل واضح ہو جائے۔

مصنف اصول الشاشی خفی کا حکم یوں بیان فرماتے ہیں:

"و حکم الخفی وجوب الطلب حتی یزول عنه الخفاء"^{۱۲} یعنی خفی کا حکم طلب کا واجب ہونا ہے تاکہ اس سے خفاء زائل ہو جائے۔

ڈاکٹر ادیب صالح لکھتے ہیں:

"خفی کا حکم اس میں مجتہد کا اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا معنی کے نقصان کی وجہ سے۔ پس اگر یہ خفاء زیادتی معنی کی وجہ سے ہے تو اس پر "ظاہر" سے حاصل ہونے والا حکم لگایا جائے گا اور اگر یہ "خفاء" نقصان معنی کی وجہ سے ہے تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔"^{۱۳} پس "طرار" پر سارق کا حکم یعنی قطع ید لگایا جائے گا لیکن نباش پر یہ حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اس میں خفاء نقصان معنی کی وجہ سے ہے۔"^{۱۴}

خفی کے حکم کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد اس میں اس حد تک غور و فکر کرے کہ یہ واضح ہو جائے کہ خفاء معنی میں کمی کی وجہ سے ہے یا زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اگر "خفاء" معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم "ظاہر" کے حکم کی مانند ہو گا اور اگر "خفاء" معنی کی کمی کی وجہ سے ہو تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا، مثلاً اوپر کی مثال میں طرار پر سارق کا حکم لگایا جائے گا لیکن نباش پر نہیں، کیونکہ اس میں "سرقہ" کے معنی میں کمی آ جاتی ہے اور حدود شبہات میں اٹھالی جاتی ہیں۔

مشکل

غیر واضح الدلالة الفاظ میں "خفی" کے بعد "مشکل" ہے، جو کہ "نص" کے مقابلہ میں ہے، جس طرح "ظاہر" کی نسبت "نص" میں وضوح اور ظہور زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح "مشکل" میں "خفی" کے مقابلہ میں ابہام اور پوشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ خفی کی نسبت "مشکل" کے حکم کے لیے زیادہ تامل اور طلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ بزدوی مشکل کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"ثم المشكل وهو الداخل في أشكاله وأمثاله مثل قولهم أحرم أي دخل في الحرم واشتق أي دخل في الشتاء وهذا فوق الأول لا ينال بالطلب بل بالتأمل بعد الطلب ليتميز عن أشكاله وهذا لغموض في المعنى أو لاستعارة بديعة وذلك يسمى غريبا مثل رجل اغترب عن وطنه فاختلط بأشكاله من الناس فصار خفيا بمعنى زائد على الأول."^{۱۵}

(ترجمہ): پس مشکل وہ ہے جو اپنے ہم شکل وہم مثل اشیاء میں داخل ہو جائے جیسے عربوں کا یہ قول "أحرم" یعنی حرم میں داخل ہوا یا لفظ اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یہ پہلے والے سے اوپر ہے، صرف طلب سے اس کی مراد حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ طلب کے بعد

غور و فکر اور تامل کرنا ہو گا تاکہ وہ اپنے ہم شکل سے ممتاز ہو جائے اور ایسا معنی میں گہرائی کی وجہ سے یا نادر استعارہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو غریب کہا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص وطن سے غریب ہو گیا تو ہم شکل لوگوں میں خلط ہو گیا، پس یہ خفی سے زائد معنی کے ساتھ ہو گا۔

علامہ سر خسی لکھتے ہیں:

"وهو اسم لما يشته المراد منه بدخوله في أشكاله على وجه لا يعرف المراد إلا بدليل يتميز به من بين سائر الاشكال."^{۱۶}

(ترجمہ): یعنی (مشکل) نام ہے اس چیز کے لیے جس کی مراد اپنے ہم شکلوں میں داخل ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہو اور یہ ایسے طریقہ سے ہو جس کی مراد معلوم نہیں ہوتی مگر دلیل کے ساتھ، تاکہ وہ دلیل اس کو ہم شکلوں سے ممتاز کر دے۔

مصنف اصول الشاشی لکھتے ہیں:

"وأما المشكل فهو ما ازداد خفاء على الخفي كأنه بعدما خفي على السامع حقيقة دخل في أشكاله وأمثاله حتى لا ينال المراد إلا بالطلب ثم بالتأمل حتى يتميز عن أمثاله."^{۱۷}

(ترجمہ): اور بہر حال مشکل وہ کلام ہے جس میں خفی کی بہ نسبت خفاء زائد ہو گیا کہ وہ اس کے بعد کہ سامع پر اس کی حقیقت مخفی ہو گئی اپنے ہم شکل اور امثال میں داخل ہو گیا حتیٰ کہ مراد حاصل نہ ہوگی مگر طلب سے پھر غور و فکر کرنے سے یہاں تک کہ وہ اپنے امثال سے ممتاز ہو جائے۔

مشکل باعتبار خفاء و پوشیدگی کے خفی سے بڑھ کر ہے اور "مشکل" وہ ہے جو اپنے ہم مثل میں داخل ہونے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خفی کی نسبت مشکل کے لیے زیادہ تامل اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ معمولی غور و فکر کے ذریعہ مشکل کو جاننا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ہم مثل کے اختلاط سے یہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

مشکل کی مثال

مصنف اصول الشاشی مشکل کی مثال یوں بیان کرتے ہیں:

"ونظيره في الأحكام لو حلف لا يأتدم فإنه ظاهر في الخل والدبس فإنما هو مشكل في اللحم والبيض والجن حتى يطلب في معنى الانتدام ثم يتأمل أن ذلك المعنى هل يوجد في اللحم والبيض والجن أولا."^{۱۸}

(ترجمہ): احکام شرع میں اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ وہ (ادام) سالن نہیں کھائے گا، پس یہ سرقہ اور کھجور کے شیرہ میں ظاہر ہے اور گوشت، انڈے اور پنیر میں مشکل ہے یہاں تک کہ ایتدام کے معنی کو طلب کرے پھر غور کرے کہ یہ معنی گوشت، انڈہ اور پنیر میں موجود ہیں یا نہیں؟

یعنی مشکل میں خفی کی نسبت خفاء زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کی گئی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب وتامل کے ذریعہ حکم کو تلاش کیا جاتا ہے۔

مشکل کا حکم

مشکل کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ مزدوئیؒ لکھتے ہیں:

"لا ینال بالطلب بل بالتأمل بعد الطلب لتمييز عن أشكاله"^{۱۹} یعنی جو محض طلب سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ طلب کے بعد تامل کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جاسکے۔

ملاجیون لکھتے ہیں:

"ای حکم المشکل أولا هو اعتقاد الحقی فیما کان مراد اللہ تعالیٰ بمجرد سماع الکلام، ثم الإقبال علی الطلب أى أنه لأى معنى يستعمل هذا اللفظ، ثم التأمل فيه بأنه اى معنى يراد ههنا من بین المعانی فیتبین المراد"^{۲۰}

(ترجمہ): یعنی مشکل کا حکم اولاً تو یہ ہے کہ محض کلام کے سماع کے نتیجے میں اس کا اعتقاد رکھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے۔ پھر طلب (معانی) کی طرف متوجہ ہونا یعنی یہ لفظ کن کن معانی میں مستعمل ہے۔ اس کی طلب کرنا پھر اس میں تامل کرنا یعنی یہ غور و فکر کرنا کہ یہاں معانی میں سے کون سے معانی مراد ہیں پس اس سے مراد واضح ہو جائے گی۔

"مشکل" خفاء معنی کے لحاظ سے "خفی" سے بڑھ کر ہے، لہذا "مشکل" کے خفاء کو دور کرنے کے لیے "خفی" کی نسبت زیادہ غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ "خفی" کی مراد معمولی طلب و کوشش سے پہچانی جاسکتی ہے لیکن "مشکل" کے لیے شدید طلب کے بعد تامل کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جاسکے۔

محمل

غیر واضح الدلالة الفاظ میں تیسرا "محمل" ہے، جو "مفسر" کے مقابلہ میں ہے۔ علامہ مزدویؒ "محمل" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم المحمل وهو ما ازدحمت فيه المعاني واشتبه المراد اشتباها لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع إلى الاستفسار ثم الطلب ثم التأمل۔"^{۲۱}

(ترجمہ): پس محمل وہ ہے جس میں معانی کا ازدحام واقع ہو جائے اور مراد مشتبه ہو جائے۔ ایسا اشتباہ آجائے کہ نفس عبارت سے وہ معلوم نہ ہو سکے بلکہ استفسار، پھر طلب اور پھر تامل کی طرف رجوع کیا جائے۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"وأما المحمل فهو ضد المفسر، مأخوذ من الجملة، وهو لفظ لا يفهم المراد منه إلا باستفسار من المحمل وبيان من جهته يعرف به المراد، وذلك إما لتوحش في معنى الاستعارة أو في صيغة عربية مما يسميه أهل الادب لغة غريبة، والغريب اسم لمن فارق وطنه ودخل في جملة الناس فصار بحيث لا يوقف على أثره إلا بالاستفسار عن وطنه ممن يعلم به۔"^{۲۲}

(ترجمہ): محمل مفسر کی ضد ہے۔ یہ لفظ "الجملة" سے ماخوذ ہے۔ محمل وہ لفظ ہے جس کی مراد سمجھ میں نہ آئے سوائے اس کے کہ اجمال کرنے والے سے پوچھا جائے اور اسی کی طرف سے بیان ہو جائے جس سے مراد معلوم ہو اور یہ اس اجمال کی وجہ کہ یا تو استعارہ کے معنی میں بعد ہوتا ہے یا عربی صیغہ میں اجنبیت ہوتی ہے جس کو اہل ادب میں صیغہ غریبہ کہا کرتے ہیں اور غریب وہ جو وطن سے دور ہو اور دوسرے لوگوں میں داخل اس طرح ہو کہ اس کا کوئی نشان پتہ نہ چلے سوائے استفسار اور پوچھنے کے اس کے وطن کے بارے میں جس سے پہچان ہو جائے۔

"أصول الشاشی" میں محمل کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"المحمل وهو ما احتمل وجوها فصار بحال لا يوقف على المراد به إلا ببيان من قبل المتكلم۔"^{۲۳}

(ترجمہ): محمل وہ کلام ہے جو چند صورتوں کا احتمال رکھتا ہو پس وہ ایسے حال میں ہو گا جس کی مراد پر متکلم کی طرف سے بیان کے بغیر واقفیت نہیں ہو سکتی ہے۔

مجمل، مفسر کے مقابلہ میں ہے اور جس طرح مفسر وضوح کے اعتبار سے اس درجہ پر ہوتا ہے کہ اس میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا احتمال بھی باقی نہیں رہا، اسی طرح "مجمل" خفاء کے اعتبار سے اس مقام پر ہوتا ہے کہ اس میں معانی کا ہجوم ہوتا ہے اور شارع کے بیان کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جب شارع "مجمل" کی وضاحت کر دے تو وہ "مفسر" حکم ہو جاتا ہے۔

مجمل کی مثال

"مجمل" کی وضاحت لغت یا عقل سے نہیں ہو سکتی، بلکہ متکلم کا بیان اس کی وضاحت کرتا ہے۔ علامہ مزدوی لکھتے ہیں:

"وذلك مثل قوله تعالى وحرم الربا فإنه لا يدرك بمعاني اللغة بحال وكذلك الصلوة والزكوة وهو مأخوذ من الجملة وهو كرجل اغترب عن وطنه بوجه انقطع به أثره"^{۲۴}

(ترجمہ): اور اس کی مثال اللہ کا ارشاد: (حرم الربا) ہے۔ یہ ربا کے مرادی معنی، لغت کے ذریعے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس طرح لفظ "صلوة و زکوة" ہیں، اور یہ لفظ "جملہ" سے لیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بندہ اپنے ملک میں غریب ہو گیا۔ ایسی غربت و انقطاع مراد ہے کہ اس کی نشان تک ختم ہو جائے۔

ربا، صلوة، زکوة اور حج کے الفاظ "مجمل" تھے، محض لغت سے ان کا شرعی مفہوم اخذ کرنا ناممکن تھا۔ شارع کی وضاحت کے بعد یہ "مفسر" ہو گئے۔ الفاظ مذکورہ شرعی اصطلاحات کی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا لغت سے ان کی وضاحت درست نہیں ہوگی۔

مجمل کا حکم

"مجمل" کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وموجه اعتقاد الحقيقة فيما هو المراد والتوقف فيه إلى أن يتبين بيان المجمل"^{۲۵}

(ترجمہ): یعنی اس سے جو بھی مراد ہو اس کی حقیقت پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ مجمل کی مراد بیان کر دی جائے۔

وہب الزحیلی لکھتے ہیں:

"حكم المجمل التوقف في تعيين المراد منه في عهد الرسالة حتى يبينه المتكلم به، لأنه هو الذي أهم المراد منه، وليس في صيغة اللفظ ولا في القرائن الخارجية عنه ما يبينه، فيتعين الرجوع إلى المتكلم والاستفسار منه عنه، ليبينه."^{۲۶}

(ترجمہ): مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کی تعیین عہد رسا تنصلی اللہ علیہ وسلم تک متکلم کے اپنے بیان پر موقوف تھی، کیونکہ یہ وہ ہے جس کی مراد مبہم ترین ہوتی ہے، اور صیغہ یا خارجی قرائن سے اس کی مراد تک نہیں پہنچا جاسکتا، پس متکلم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان سے اس ضمن میں استفسار کیا جائے گا تاکہ وہ (اس کی مراد) بیان فرمادیں۔

پس "مجل" خفاء کے اعتبار سے اس درجہ میں ہوتا ہے کہ سوائے متکلم کے اپنے بیان کے اس کی مراد تک نہیں پہنچا جاسکتا اور جب متکلم کے بیان سے اس کی مراد پر اطلاع ہو جائے تو یہ "مفسر" ہو جاتا ہے جس میں تاویل، تخصیص اور مجاز تک کا احتمال منقطع ہو جاتا ہے۔

مثالبہ

غیر واضح الدلالة الفاظ میں سے چوتھی اور آخری قسم "مثالبہ" ہے، جو "محکم" کے مقابلہ میں ہے۔ "محکم" و مثالبہ "وسعت و گہرائی کی حامل امثا میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"كُنْ أَحْكَمَ ابْنَهُ ثُمَّ فَصَّلْتَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" ^{۲۷} یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم و خبر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

"اللَّهُ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي" ^{۲۸} یعنی خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں)۔

سورۃ آل عمران میں محکم و مثالبہ کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ" ^{۲۹}

(ترجمہ): وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض مثالبہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ مثالبہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ پہلی آیت میں محکم سے مراد اتقان اور متانت ہے، چنانچہ اس اعتبار سے پورا قرآن محکم ہے یعنی اس کی آیات میں اس قدر تنظیم اور چٹنگی ہے کہ کہیں بھی لفظی یا معنوی خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے مقام میں تنابہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصوں سے استدلال کی قوت، صفت اعجاز، فصاحت و بلاغت وغیرہ جیسی صفات میں مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے، اس اعتبار سے پورا قرآن تنابہ ہوا، جب کہ تیسرے مقام پر محکم اور تنابہ کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ محکم قرآن کا وہ حصہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح ہے اور تنابہ وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح نہ ہو۔^{۲۰}

بہر حال قواعد لغویہ میں تنابہ "محکم" کے مقابلہ میں ہے، اور جس طرح "محکم" میں انتہائی درجہ کا وضوح اور ظہور ہوتا ہے اسی طرح "تنابہ" میں انتہائی درجہ غیر واضح اور خفاء کا حامل ہوتا ہے۔ "محکم" میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا بھی احتمال نہیں ہوتا، جب کہ "تنابہ" میں ابہام اس حد تک ہوتا ہے کہ اس کے بیان کی امید بھی منقطع ہوتی ہے۔ ذیل میں "تنابہات" کی تعریف اور حکم کے ضمن میں اصولیین کی آراء کو پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ زردوئی لکھتے ہیں:

"فإذا صار المراد مشتبهاً على وجه لا طريق لدركه حتى سقط طلبه ووجب اعتقاد الحقيه فيه سمى متشابهاً بخلاف المحمل فان طريق دركه متوهم وطريق درك المشكل قائم فأما المتشابه فلا طريق لدركه إلا التسليم فيقتضي اعتقاد الحقيه قبل الإصابة وهذا معنى قوله وأخر متشابهات وعندنا أن لا حظ للراسخين في العلم من المتشابه لا التسليم على اعتقاد حقيه المراد عند الله تعالى وأن الوقف على قوله وما يعلم تأويله إلا الله واجب"^{۲۱}

(ترجمہ): پس جب مراد کا سمجھ میں آنا اس حد تک مشتبہ ہوگا کہ اس کے حصول کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تو اس کی طلب ساقط ہو جائے گی اور اس کو حق سمجھنا واجب ہوگا۔ تنابہ مجمل کے برخلاف یہ نام اس لیے دیا گیا کہ مجمل کے معانی کا حصول ممکن ہوتا ہے اور مشکل کے معانی کا پالینا بھی ثابت ہے۔ جہاں تک تنابہ کا تعلق ہے تو اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کو ماننے کے (کہ وہ حق ہے) پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو حق سمجھنے کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے معنی قیامت سے پہلے نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ معنی ہے اللہ کے فرمان: (وآخر تنابہات) کے۔ ہمارے نزدیک راسخین فی العلم کے لیے تنابہ کے معنی میں کوئی حصہ نہیں، سوائے یہ تسلیم و اعتقاد کرنے کے کہ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے اور (وما يعلم تأويله إلا الله) پر وقف واجب ہے۔

علامہ سر خسی لکھتے ہیں:

"وأما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد منه لمن اشتبه فيه عليه، والحكم فيه اعتقاد الحقية والتسليم بترك الطلب، والاشتغال بالوقوف على المراد منه" ۳۲

(ترجمہ): متشابہ اس کلام کا نام ہے جس کی مراد کی معرفت کی امید منقطع ہو جائے جس معاملے میں اس میں اشتباہ واقع ہے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے اور اللہ کے سپرد کر دے اور معافی کی طلب اور اس کی مراد جاننے کے اشتغال کو ترک کر دے۔

علامہ بزدوی اور علامہ سر خسی متشابہات کے ضمن میں "تفویض" کے قائل ہیں۔ سلف میں اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ البتہ متشابہات کے ضمن میں دو مذہب ہیں، جن کا ذکر علامہ عبدالعزیز بخاری نے یوں کیا ہے:

"واختلفوا في أن الراسخ في العلم هل يعلم تأويل المتشابه فذهب عامة السلف من الصحابة والتابعين رضي الله عنهم إلى أنه لا حظ لأحد في ذلك؛ وإنما الواجب فيه التسليم إلى الله تعالى مع اعتقاد حقية المراد عنده. وهو مذهب عامة متقدمي أهل السنة والجماعة من أصحابنا وأصحاب الشافعي، وهو مختار المصنف وإليه أشار بقوله وعندنا، وعلى هذا الوقف على قوله إلا الله واجب لأنه لو وصل فهم أن الراسخين يعلمون تأويله فيتغير الكلام، وذهب أكثر المتأخرين إلى أن الراسخ يعلم تأويل المتشابه وأن الوقف على قوله والراسخون في العلم لا على ما قبله والواو فيه للعطف لا للاستئناف، وهو مذهب عامة المعتزلة." ۳۳

(ترجمہ): اس میں اختلاف ہے کہ کیا راسخ فی العلم متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے؟ اسلاف میں عمومی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور تابعین کا مسلک یہی ہے کہ کسی کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے معاملہ میں صرف یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس کی مراد اس کے پاس حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے۔ یہ عام متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ ہمارے اصحاب اور اصحاب شافعیہ کا مذہب ہے اور مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ ان کا قول "عندنا" ہے۔ "إلا الله" پر وقف کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ملا دیا جائے تو مراد ہو گا الراسخون اس کی تاویل کو جانتے ہیں تو کلام میں تغیر واقع ہو جائے گا، مگر متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ راسخ فی العلم متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے۔ ان کے نزدیک وقف فرمان باری تعالیٰ میں "والراسخون في العلم" پر ہے نہ کہ اس سے قبل پر۔ "و" یہاں عطف کے لیے ہے نہ کہ استئناف کے لیے۔ یہ عام معتزلہ کا بھی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کے ضمن میں "تفویض" اور "تاویل" کے دو مذہب موجود رہے ہیں۔ اہل تفویض کے نزدیک راسخین فی العلم بھی ان کی مراد نہیں جانتے، ان کے نزدیک ("وما یعلم تاویلہ إلا اللہ") "پروقف واجب ہے، یوں راسخین فی العلم متشابہات کے مطلب کو نہیں جانتے، جب کہ اہل تاویل کے نزدیک اس کے برعکس بات ہے اور ان کے نزدیک ("وما یعلمُ تاویلہُ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ") پر وقف ہے۔ یوں راسخین فی العلم بھی متشابہات کی مراد جان سکتا ہے۔ اسے "مذہب تاویل" کہا جاتا ہے۔ حسن ستفاف کے مطابق: "متشابہات کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ظاہری معانی کو مراد لینے کے بجائے معانی کی روح (یعنی مآل) کو بیان کیا جائے، یعنی اس لفظ کا لغت عرب، جس میں قرآن نازل ہوا ہے، میں سے کوئی اور بلاغی معنی جیسے مجاز وغیرہ مراد لیا جائے۔" ۳۲

ملاحیون نے اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ "یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ جن حضرات نے یہ کہا کہ راسخین متشابہ کی مراد کو جانتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کی ظنی مراد کو جانتے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ راسخین اس کی مراد کو نہیں جانتے تو ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کی اس یقینی مراد کو نہیں جانتے جس پر اعتقاد واجب ہو۔" ۳۵ گویا واضح ہوا کہ اس ضمن میں اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ محض لفظی نزاع ہے۔

متشابہات کی اقسام

متشابہات کی دو اقسام ہیں ۳۶:

۱. ایک وہ ہے جس کے معنی بالکل معلوم نہ ہوں جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات، مثلاً اللم، حم، اس لیے کہ مقطعات کا ہر کلمہ دوسرے کلمہ سے الگ الگ کر کے بولا جاتا ہے اور اس کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ یہ حروف تنجی کلام عرب میں ترکیب کی غرض کے علاوہ کسی دوسرے معنی کے لیے وضع نہیں کیے گئے۔

۲. دوسری قسم وہ ہے جس کے لغوی معنی تو معلوم ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے ظاہری معنی محکم کے خلاف ہوتے ہیں، جیسے باری تعالیٰ کا قول: "یَدُ اللّٰهِ، وَجْہُ اللّٰهِ، الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی، وَجْہُ یَوْمُنَا نَظَرَةٌ" اور ان جیسے دوسرے اقوال اور ان کو آیات صفات کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔

متشابہات کی بحث سے درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱. مجمل و مشکل کے بیان کی امید ہوتی ہے، مثلاً صلوٰۃ مجمل لفظ کی وضاحت متکلم کے بیان سے ہو جانے کے بعد یہ "مفسر" ہو گیا اور تاویل و تخصیص کا احتمال بھی ختم ہو گیا، لیکن متشابہ کی مراد کی امید بھی اس دنیا میں منقطع ہوتی ہے۔

۲. متشابہ کی مراد کی امید منقطع ہونے کے باوجود ہم ان کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

۳. متشابہات کے متعلق دو مذہب ہیں۔ مذہب تفویض اور مذہب تاویل۔
۴. "مذہب تفویض" کے مطابق راسخین فی العلم بھی متشابہات کی مراد پر مطلع نہیں ہوتے، جب کہ "مذہب تاویل" کی رو سے راسخین فی العلم بھی متشابہات کی تاویل پر مطلع ہو سکتے ہیں۔
۵. یہ محض نزاع لفظی ہے، کیونکہ اہل تاویل بھی مجازی معنی پر نہ تو اصرار کرتے ہیں اور نہ ہی قطعیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

غیر واضح الدلالة الفاظ اور انحرافی تفاسیر

ذیل میں "غیر واضح الدلالة الفاظ" کے قواعد کی روشنی میں انحرافی تفاسیر کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

بذریعہ لغت "محمل" الفاظ کی وضاحت درست نہیں:

"محمل" کی وضاحت شارع کے بیان پر موقوف ہوتی ہے اور متکلم کی طرف سے وضاحت کے بعد یہ کلام "مفسر" ہو جاتا ہے، جس میں تاویل و تخصیص اور مجاز کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ الفاظ لغوی اصطلاحات سے "شرعی اصطلاحات" بن جاتے ہیں، جن کی وضاحت لغت یا عقل سے کرنا ہرگز درست نہیں، اور ایسا کرنا قواعد لغویہ اصولیہ سے انحرافی تفسیر میں شمار کیا جائے گا۔ ذیل میں چند ایسی اصطلاحات کی نشاندہی کی جاتی ہے:

صلوٰۃ و زکوٰۃ:

قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ." ۳۷

اس آیت کریمہ کے اندر صلوٰۃ و زکوٰۃ مجمل تھے لیکن شارع کی طرف سے وضاحت کے بعد مفسر ہو گئے اور تاویل و تخصیص کا احتمال ختم ہو گیا۔ اب کوئی اور تشریح قابل قبول نہیں ہوگی، مثلاً پرویز نے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے مراد ایک اجتماعی نظام اور مملکت کا قیام لیا ہے اور ایتائے زکوٰۃ کو مملکت کا فرض بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ تصور قرآن کے مطابق نہیں کہ لوگ اپنے طور پر اڑھائی فیصد خیرات کے طور پر خرچ کر دیں۔ ۳۸ "اقامت صلوٰۃ" کو غلام احمد پرویز نے یوں بیان کیا ہے:

"الصلوٰۃ کے معنی ہوئے انسانی خواہشات و جذبات کی، قوانین خداوندی کے مطابق، تسکین

و رومندی، ان سے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے کام لینا۔ انہیں قوانین الہیہ کے پیچھے پیچھے

چلانا۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد اجتماعی نظام کے تابع ہی حاصل ہو سکتا ہے۔" ۳۹

لغات سے سہارا لیتے ہوئے مجموعی طور پر پرویز نے "اقامت صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ" سے اقامت دین کا ایک اجتماعی نظام مراد لیا ہے، حالانکہ "صلوٰۃ و زکوٰۃ" کے مجمل الفاظ شارع کی وضاحت کے بعد "مفسر" ہو گئے اور ہر طرح کی تاویل و تخصیص کے احتمال سے پاک ہیں، لہذا یہ تاویل قابل قبول نہیں ہوگی۔ ان الفاظ کی تفہیم کے لیے لغات کا سہارا لینا درست نہیں، کیونکہ یہ لغوی اصطلاحات نہیں، بلکہ شرعی اصطلاحات ہیں اور شریعت کا حکم جاننے کے لیے شارع کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ محمد دین قاسمی لکھتے ہیں کہ "اقامت دین کے مفہوم کو "اقامت صلوٰۃ" کا نام دیتے ہوئے ایک وسیع نظام (نظام ربوبیت) قرار دینا، قرآن کریم کی ان آیات سے صریحاً ٹکراتا ہے جن میں اقامت صلوٰۃ کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔" نیز متعدد احادیث مبارکہ سے نماز اور زکوٰۃ کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي." یعنی کہ تم نماز پڑھو جس طرح مجھے تم نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

سلسلہ نزول وحی کے منقطع ہونے کے بعد مفسر حکم "محکم" ہو گیا، لہذا اس سے نسخ کا احتمال بھی ختم ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ "اقامت صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ" کے ضمن میں غلام احمد پرویز کی بیان کردہ تفسیر قابل قبول نہیں ہوگی۔

حج و عمرہ:

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن "حج بیت اللہ" ہے۔ ذی الحج کے مہینہ میں خانہ کعبہ کی زیارت اور مخصوص افعال سرانجام دینے کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا." اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔

یہ آیت حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ حج کا طریقہ احادیث مبارکہ میں سکھایا گیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"خذوا عني مناسككم." یعنی مجھ سے مناسک حج سیکھو۔

یوں "حج اور عمرہ" کی "مجمل" اصطلاحات شارع کی وضاحت کے بعد "مفسر" ہو گئیں، لہذا ان میں کوئی تاویل قابل قبول نہیں ہوگی۔ غلام احمد پرویز نے "حج" کے مفہوم میں من مانی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"حج امت کے اس اجتماع کو کہا جائے گا جہاں نظام خداوندی سے متعلق جملہ اہم معاملات کا فیصلہ

دلائل و حجت کی رو سے کیا جائے۔ مشاورتی نظام میں اس قسم کے اجتماعات نہایت ضروری

ہوتے ہیں۔ میری بصیرت کے مطابق، اس نظام نے ایک عالمگیر سالانہ اجتماع ضروری قرار دیا تھا، اور سال بھر میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات عند الضرورت اس پر مستزاد۔ ان اجتماعات کو عمرہ کہا جاتا ہے۔^{۴۳}

حج اور عمرہ کی اصطلاحات کی وضاحت شارع کے قول سے بھی ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ بھی اسے ثابت کر دیا، لہذا پرویز کی بیان کردہ تفسیر ناقابل اعتبار ہے۔
نسک و نحر (قربانی):

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یاد میں ہر سال عید الاضحیٰ پر قربانی کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے اسماعیل علیہ السلام کے جواب کو یوں نقل کیا ہے:

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ."^{۴۴}

(ترجمہ): جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو (ابراہیم نے) کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے، خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔

مسلمان کا ہر عمل خالص رضائے الہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

"قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ."^{۴۵}

(ترجمہ): (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

سورۃ الکوثر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ."^{۴۶} یعنی تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور

قربانی کیا کرو۔

درج بالا آیات سے قربانی کے عمل کا ثبوت ملتا ہے۔ قربانی کے مفصل احکامات مثلاً جانور کیسا ہو وغیرہ، یہ سب تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں، گویا شارع کی وضاحت کے بعد "نسک" اور "نحر" کے مجمل الفاظ "مفسر" ہو گئے اور تاویل و تخصیص کا احتمال بھی ختم ہو گیا۔ اس ضمن میں انحرانی تفاسیر کے نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

پرویز نے "قربانی" کی حقیقت کو حسب ذیل نکات میں بیان کیا ہے:

۱. قربانی صرف حج کے موقع پر ہے۔
 ۲. قربانی کا مقام مکہ معظمہ ہے، جہاں حج ہوتا ہے۔
 ۳. قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔
 ۴. یہ سمجھنا کہ جانور ذبح کرنے سے قرب الہی حاصل ہوتا ہے، غلط ہے۔^{۴۸}
- "حج کے علاوہ قربانی اور کہیں نہیں، لہذا یہ جو دنیا کے ہر قریب اور ہر بستی کے گلی کوچے میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں، قرآن کی رو سے اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں۔"^{۴۹}
- تفسیر القرآن بالقرآن میں یہی بات یوں بیان کی گئی ہے:
- "گھر گھر قربانی خلاف قرآن، خلاف سنت اور اسراف محض ہے۔" نیز "زمانہ رسالت میں مدینہ منورہ میں بھی گھر گھر قربانی نہیں ہوا کرتی تھی۔"^{۵۰}
- دونوں عبارات کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا عمل قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قربانی نہیں کی نیز قربانی کا مقصد صرف گوشت کھانا ہے۔ یہ سب انحرافی تفسیر کی واضح مثال ہے۔ قربانی کا ذکر قرآن حکیم میں بھی مذکور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔
- "عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي." ^{۵۱}
- (ترجمہ): حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال قربانی کی۔
- پروفیز صاحب کے نزدیک قربانی کا مقصد صرف گوشت کھانا ہے۔ بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جب بھی کوئی جانور گوشت کھانے کے لیے ذبح کیا جائے تو اس عمل کو "عمل قربانی" یعنی "نسک اور نحر" سے تعبیر کیا جائے، جو کہ قرآن و سنت کی رو سے درست نہیں۔ اگر قربانی کا یہی مفہوم ہے تو قربانی اور اس سے متعلقہ شارع کے بیان کردہ احکامات و روایات کا کیا مطلب ہے؟ متعدد احادیث مبارکہ قربانی کے احکامات کو بیان کرتی ہیں۔ مثلاً: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عید الاضحیٰ کے موقع پر دیکھا کہ انہوں نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی اور پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے سنا۔ عید الفطر کو روزہ سے اس لئے منع کرتے تھے کہ وہ روزہ کھولنے اور مسلمانوں کی عید کا دن ہے اور عید الاضحیٰ میں اس لئے کہ تم اپنی قربانی کا گوشت کھا سکو۔^{۵۲}

پس "قربانی" کا انحرافی مفہوم قواعد لغویہ اصولیہ سے تجاوز کی واضح مثال ہے، جو درست نہیں۔ اسی لیے مفسر قرآن کے لیے جہاں دیگر علوم کو جاننا ضروری ہے، وہاں قواعد لغویہ اصولیہ کی معرفت بھی ناگزیر ہے۔
اعتکاف:

اعتکاف رضا و تقرب خداوندی کا اہم ذریعہ ہے۔ ابن حزمؒ اعتکاف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:
"الاعتكاف: هُوَ الْإِقَامَةُ فِي الْمَسْجِدِ بِنِيَّةِ التَّقَرُّبِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ سَاعَةً فَمَا فَوْقَهَا، لَيْلًا، أَوْ نَهَارًا." ۵۳

(ترجمہ): اعتکاف مسجد میں تقرب الی اللہ کی نیت سے اقامت کرنا ہے ایک گھڑی یا اس سے زیادہ، ایک رات یا ایک دن۔

اعتکاف کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:
"ثُمَّ آمَنُوا الصَّبَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا" ۵۴

(ترجمہ): پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔

غلام احمد پرویز نے اس آیت کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اس کے بعد رات تک روزہ پورا کرو۔ لیکن اگر تم اس ٹریننگ کے کسی خاص کورس کے لیے، تربیت و اطاعت کے مراکز (مساجد) میں رکے ہوئے ہو، تاکہ تم الجھے ہوئے معاملات کو اچھی طرح سلجھا سکو، تو پھر تم ان راتوں میں بھی بیویوں سے اختلاط نہ کرو (اور اپنی توجہ کو پوری یک سوئی سے معاملات پیش نظر پر مرکوز رکھو)۔" ۵۵

اعتکاف کو الجھے ہوئے معاملات کے حل تلاش کرنے یا کسی خاص ٹریننگ کے ساتھ مخصوص قرار دینا قواعد لغویہ سے انحراف کی مثال ہے۔ اعتکاف کے عمل کی وضاحت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملتی ہے، لہذا اس وضاحت کے بعد تاویل کا راستہ اختیار کرنا مفسر کے حکم میں تجاوز کرنا ہے۔ مجمل اصطلاح کی وضاحت شارع کے عمل سے ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ شرعی اصطلاح بن گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک رمضان کے آخری دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ۵۶ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغرض اعتکاف ایک خیمہ نصب کرنے کی روایت ۵۷ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعتکاف ایک

عبادت ہے، جس کے اپنے مخصوص احکام ہیں، مثلاً بیوی سے مباشرت سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا غلام احمد پر دین کا بیان کردہ مفہوم مفسر کے حکم کے خلاف ہے۔
ربا اور اس کی صورتیں:

سورۃ البقرۃ کی آیت: ("أحل الله البيع وحرم الربوا"^{۵۸}) کی رو سے سود حرام ہے۔ عربوں میں ربا کی معروف صورت کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے چند مزید امور کی صراحت ہوتی ہے، جو شرعی اصطلاح میں سود سمجھے جائیں گے۔ مثلاً ربا الفضل^{۵۹} جو کہ عربوں کے مروجہ طریقہ پر سود نہیں تھا، لیکن شریعت مطہرہ نے اسے ربا قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ "ربا" لغوی نہیں، بلکہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ شریعت نے جن جن امور کو سود قرار دیا وہ سب حرام ہیں۔ اس لحاظ سے آیت مبارکہ بیع اور ربا کی عدم برابری کے سلسلہ میں "نص" ہے اور مفسر کے لیے اس کا فہم ناگزیر ہے۔ عدم معرفت کی صورت میں مراد الٰہی تک پہنچنا ناممکن ہے۔ مثلاً سر سید احمد خان "ربا الفضل" کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آیت میں عربوں کے معروف ربا کا ذکر ہے، اور عرب ربا الفضل کو سود نہیں سمجھتے تھے۔ ربا الفضل کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور خبر واحد سے ظاہر قرآن میں تخصیص جائز نہیں۔ ایسا کرنا اعلانیہ غلطی ہے اور اس قسم کے مبادلوں کی بڑھوتری سے اس آیت کو کچھ تعلق نہیں ہے۔"^{۶۰}

سر سید نے "نص" کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض عربوں کے رواج کو حجت بناتے ہوئے "ربا" کی وضاحت لغوی اعتبار سے کی ہے۔ تفسیر مظہری میں ربا الفضل کی مختلف روایات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ثناء اللہ لکھتے ہیں:

"جمہور کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تو حرمت منصوص ہی ہے، لیکن حکم کی بناء سبب پر ہے۔ لہذا جہاں سبب حرمت موجود ہوگا، حکم حرمت بھی ہوگا۔"^{۶۱}

مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"شریعت میں لفظ "ربوا" کا متعدد ایسے معانی پر اطلاق ہوتا ہے کہ لغت میں ان تمام معانی کے لیے کوئی مستقل اسم موضوع نہیں۔

اصناف ستہ (سونا، چاندی، نمک، کھجور، جو، گندم) جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات میں مختلف جہات سے منقول ہے، میں تفاضل حرام ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک اپنے رواۃ کی کثرت اور فقہاء کرام کے اتفاق کی بناء پر تواثر کے درجہ میں ہے۔"^{۶۲}

پس ثابت ہوا کہ "ربا" کی ہر شکل کو شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ واضح الدلالۃ الفاظ کی معرفت کے بغیر مراد متکلم تک پہنچنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے، جیسا کہ لفظ "ربا" لغوی نہیں رہا، بلکہ شرعی اصطلاح ہے اور شرعی معانی کا اعتبار ہی کیا جائے گا۔

متشابہات کا انکار درست نہیں

متشابہات کے متعلق تفسیر القرآن بالقرآن کے مقدمہ میں درج ہے:

"ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كِتَبٌ أَحْكَمَتْ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" ^{۶۳} یعنی یہ ایک کتاب ہے جس کی

آیتیں حکیم و خیر کی طرف سے محکم کردی گئی ہیں۔ پھر اسی کی طرف سے ان کی پوری پوری تفصیل بھی کردی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیات کریمات ۷/۳ کی خبر کے مطابق متشابہات ہیں، خداوند حکیم و خیر نے انہیں محکم کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آیتیں جو پہلے ہی محکمت ہیں ان کے محکم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر پھر سوال پڑتا ہے کہ متشابہات کو کس طرح محکمت کر دیا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود متشابہات اور محکمت کے قرآنی تقابل میں محفوظ و موجود ہے یعنی:

۱. قواعد عرب کے مطابق جہاں کسی جملے کے ایک سے زائد مفہوم درست ہوتے ہوں، ایسی آیات متشابہات کو ایسی آیات محکمت لا کر محکم کر دیا ہے، کہ قواعد کی رو سے ان کے ایک سے زائد معنی برآمد ہی نہیں ہو سکتے۔

۲. جہاں کوئی لفظ بطور مجاز استعمال ہوا ہے اس کے مفہوم کو دوسرے مقامات پر بطور حقیقت لا کر محکم کر دیا ہے۔

۳. جہاں کوئی جملہ محاورہ، تشبیہ یا استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اسے بھی دوسری جگہ حقیقی معنوں میں بیان کر کے تشبیہ و استعارہ کو حقیقت کی لگام (حکمہ) دیکر محکم کر دیا ہے۔

۴. جو متشابہ آیت مشاہدات عالم کے کسی گوشے کی مخالفت کرتی ہے اس پر اپنی کائنات کو حاکم ٹھہرا کر محکم کر دیا ہے۔

۵. اور جس آیت میں اجمال ہے، اس اجمال کو دوسری آیت یا آیات میں تفصیلاً بیان کر کے محکم کر دیا ہے۔" ^{۶۴}

متشابہات کے وجود کا انکار کر دینا اور یہ کہنا کہ پورا قرآن "محکم" ہو گیا ہے، قواعد لغویہ اصولیہ سے انحراف کی صورت ہے اور یہ درست نہیں۔

اس کے لیے جو قاعدہ بیان کیا گیا کہ "قواعد عرب کے مطابق آیات متشابہات کو آیات محکمات لا کر بدل دیا گیا ہے"، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ادارہ نے اس کی کوئی مثال بھی پیش نہیں کی۔ مزید برآں، اللہ رب العزت اپنے کلام سے متشابہات کو خارج کرنے کے لیے قواعد عرب کا محتاج نہیں، جیسا کہ مذکورہ قاعدہ میں بیان کیا گیا۔

قرآن حکیم کی ایک آیت سے استدلال کرنا اور دوسری آیت مبارکہ کو نظر انداز کر دینا درست نہیں، جب کہ دوسری آیت میں زمانہ نزول وحی تک نسخ یا تخصیص بھی نہیں ہوئی، اور بعد کے زمانے کا اعتبار نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ"۔⁶⁵

اس آیت مبارکہ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ محکم اور متشابہ دونوں کا وجود باقی ہے۔ محکم اپنی مراد پر واضح ہوتا ہے جب کہ متشابہ میں متکلم کی مراد پر دلالت واضح نہیں ہوتی، البتہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد ضروری ہوتا ہے۔ متشابہات کے ضمن میں "تفویض اور تاویل" کے دو مذاہب موجود رہے ہیں۔ متقدمین اصولیین تفویض کے قائل نظر آتے ہیں، جب کہ متاخرین میں سے اکثر کارحجان تاویل کی طرف رہا ہے۔

مجاز، محاورہ اور استعارہ وغیرہ کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی حقیقت کو دوسرے مقام پر واضح کر کے محکم کر دیا گیا ہے، لیکن عملی طور پر صاحب تفسیر نے اس چیز کا بھی التزام نہیں کیا کہ حقیقی معنی کو "حقیقی" رہنے دیا جاتا، بلکہ انہیں بھی بلا دلیل مجاز کی طرف لے جایا گیا، مثلاً: آیت مبارکہ "وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ"۔^{۶۶} میں ملائکہ کے لفظ کو حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز کارنگ دینا اور یہ کہنا کہ اس سے مراد "موجودات عالم میں پیدا کردہ قوتیں"۔^{۶۷} ہیں، اسی طرح "آدم علیہ السلام" کے خاص لفظ کو بھی بلا دلیل مجاز کی طرف لے جانا اور اس سے "سب کے سب نوع آدم"۔^{۶۸} مراد لینا کسی طور درست نہیں۔ غرض صاحب تفسیر کی اپنی بیان کردہ تعبیر سے ان کے اصول کارد ہوتا ہے اور یہ کہنا کسی طور درست نہیں کہ متشابہات کا وجود ہی نہیں، البتہ تفویض اور تاویل کے رجحان کو ترجیح دینا الگ بات ہے۔ متشابہات کا وجود اور ان کی حقیقی مراد اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہوئے ان پر اعتقاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے، جب کہ ان کا وجود خود قرآن سے ثابت ہے۔

نتائج بحث:

غیر واضح الدلالة الفاظ اور انحرافی تفاسیر کی فصل کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

۱. غیر واضح الدلالة میں سب سے پہلا "خفی" ہے جو "ظاہر" کے مقابلہ میں ہے۔ خفی وہ ہے جس کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی بیرونی عارضے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مجتہد اس میں اس حد تک غور و فکر کرے کہ یہ واضح ہو جائے کہ خفاء معنی میں کمی کی وجہ

سے ہے یا زیادتی کی وجہ سے، اگر "خفاء" معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم "ظاہر" کے حکم والا ہی ہوگا اور اگر "خفاء" معنی کی کمی کی وجہ سے ہو تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

۲. مشکل باعتبار خفاء و پوشیدگی کے خفی سے بڑھ کر ہے اور "مشکل" وہ ہے جو اپنے ہم مثل میں داخل ہونے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خفی کی نسبت مشکل کے لیے زیادہ تامل اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ "خفی" کی مراد معمولی طلب و کوشش سے پہچانی جاسکتی ہے لیکن "مشکل" کے لیے شدید طلب کے بعد تامل کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جاسکے۔

۳. مجمل، مفسر کے مقابلہ میں ہے اور یہ خفاء کے اعتبار سے اس مقام پر ہوتا ہے کہ اس میں معانی کا نجوم ہوتا ہے اور شارع کے بیان کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جب شارع "مجمل" کی وضاحت کر دے تو وہ "مفسر" حکم ہو جاتا ہے جس میں تاویل، تخصیص اور مجاز کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

۴. قواعد لغویہ میں متشابہ "محکم" کے مقابلہ میں ہے، اور جس طرح "محکم" میں انتہائی درجہ کا وضوح اور ظہور ہوتا ہے اسی طرح "متشابہ" انتہائی درجہ غیر واضح اور خفاء کا حامل ہوتا ہے۔ "محکم" میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا بھی احتمال نہیں ہوتا، جب کہ "متشابہ" میں ابہام اس حد تک ہوتا ہے کہ اس کے بیان کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے، لیکن ہم ان کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

۵. تشابہات کے متعلق دو مذہب ہیں۔ مذہب تفویض اور مذہب تاویل۔ "مذہب تفویض" کے مطابق راسخین فی العلم بھی تشابہات کی مراد پر مطلع نہیں ہوتے، جب کہ "مذہب تاویل" کی رو سے راسخین فی العلم بھی تشابہات کی تاویل پر مطلع ہو سکتے ہیں۔ یہ محض نزاع لفظی ہے، کیونکہ اہل تاویل بھی مجازی معنی پر نہ تو اصرار کرتے ہیں اور نہ ہی قطعیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۶. مفسر قرآن کے لیے جہاں دیگر قواعد لغویہ اصولیہ کی معرفت ناگزیر ہے، اسی طرح "غیر واضح الدلالة" الفاظ کے فہم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً قرآن حکیم میں بہت سے مجمل الفاظ موجود ہیں، اور مجمل کی وضاحت متکلم کے بیان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اگر ان مجمل الفاظ کو محض لغت یا عقل سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بے معنی اور قابل رد ہے، جیسے کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج اور اعتکاف وغیرہ۔ اسی طرح خفی، مشکل اور تشابہات کی معرفت ضروری ہے۔ ان قواعد سے نابلد فرد تشابہات کے من چاہے معانی کو قطعیت کا درجہ دینے کی سعی کرے یا ان کا انکار کرے تو اس کی بیان کردہ تعبیر قابل رد ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مفسر قرآن "واضح الدلالة الفاظ" کے ساتھ ساتھ "غیر واضح الدلالة الفاظ" کا بھی مکمل فہم حاصل کرے۔

حواشی و حوالہ جات

۱. السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن الکرمال، الإیتقان فی علوم القرآن، (تحقیق: محمد أبو الفضل ابراهیم)، وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد- المملكة العربية السعودية، ج ۴، ص ۱۸۷
۲. حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار، فیصل آباد، ۹۸۴ ص ۲۴۴
۳. محمد نعمان، مولانا، قواعد التفسیر، دار الناشر، اردو بازار- لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۹۸
۴. البزدوی، علی بن محمد، أصول البزدوی- کثر الوصول إلى معرفة الأصول، مطبعة جاوید بريس، کراتشی، ج ۱ ص ۹
۵. السرخسی، محمد بن احمد، أصول السرخسی، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۸
۶. ملا جیون، شیخ احمد، مولانا، نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار، المیزان ناشران و تاجران کتب، اردو بازار- لاہور، س-ن، ص ۱۹
۷. المائدة: ۵: ۳۸
۸. الشاشی، نظام الدین، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار- لاہور، ص ۲۴
۹. چوری کی تعریف: (السرقۃ اخذ المال علی وجه المسارقة عن عین الحافظ الذی قصد حفظه لکنه انقطع حفظه بعارض) یعنی سرقہ ایسے مال کو چرانے جس کی حفاظت کا قصد کیا گیا لیکن اس کی حفاظت کسی عارضے کی وجہ سے منقطع ہو گئی۔ اصول البزدوی، ص 75
۱۰. اصول البزدوی، ص ۷۴
۱۱. أصول السرخسی، ۱۶۸
۱۲. أصول الشاشی، ص ۲۴
۱۳. محمد أديب صالح، تفسير النصوص في الفقه الإسلامي، المكتب الإسلامي، بيروت، ۱۹۹۳م، ج ۱، ص: ۱۴۹
۱۴. أصول البزدوی، ص ۷۵
۱۵. أصول البزدوی، ص ۹

۱۶. أصول السرخسی، ج ۱ ص ۱۶
۱۷. أصول الشاشی، ص ۲۴
۱۸. أصول الشاشی، ص ۲۴
۱۹. أصول البزدوی، ص ۹
۲۰. نور الأنوار، ص ۹۹
۲۱. أصول البزدوی، ص ۹
۲۲. أصول السرخسی، ج ۱ ص ۱۸۳
۲۳. أصول الشاشی، ص ۲۴-۲۵
۲۴. أصول البزدوی، ص ۹
۲۵. أصول السرخسی، ج ۱ ص ۱۸۳
۲۶. وهبة الزحيلي، الدكتور، أصول الفقه الإسلامي، كتب خانة رشيدية، پشاور، ج ۱ ص ۳۴۱
۲۷. هود: ۱۱ : ۱
۲۸. الزمر: ۳۹ : ۲۳
۲۹. آل عمران: ۳ : ۷
۳۰. الزرقاني، عبد العظيم، مناهل العرفان، دارالفكر، بيروت، ۱۹۹۶م، ج ۲ ص ۱۹۴
۳۱. أصول البزدوی، ص ۹-۱۰
۳۲. أصول السرخسی، دارالكتب العلمية، بيروت، ۱۹۹۳م، ج ۱ ص ۱۶۹
۳۳. علاء الدين البخاري، عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی، (محقق: عبد الله محمود محمد عمر)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷م، ج ۱ ص ۸۸
۳۴. ابن جوزی، عبد الرحمن، أبوالفرج، مقدمة دفع شبه التشبيه، (محقق: حسن سقاف)، دارالإمام الرواس، بيروت، ۲۰۰۷م، ص ۸

۳۵. نور الأنوار، ص ۱۰۲
۳۶. نور الأنوار، ص ۱۰۲
۳۷. البقرة: ۲: ۴۳
۳۸. پرویز، مطالب الفرقان، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۶ء، ج ۲، ص ۲۰۵-۲۰۶
۳۹. مطالب الفرقان، ج ۱، ص ۹۹
۴۰. محمد دین قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، اشاعت اول، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۵۶۱
۴۱. صحيح البخاری، كتاب الآذان، باب الآذان للمسافر اذا كانوا جماعة، والإقامة كذلك بعرفة وجمع وقول
۴۲. آل عمران ۳: ۹۷
۴۳. (سنن نسائی میں یہ حدیث درج ذیل الفاظ سے مذکور ہے: "خذوا مناسککم" النسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائی، كتاب مناسک الحج (المواقیت)، باب الركوب الى الجمار و استغلال الحرم، دارالسلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الرابعة، ۲۰۰۸م، رقم الحديث: ۳۰۶۳ ص ۲۲۸۴
۴۴. مطالب الفرقان، ج ۳، ص ۱۲۰
۴۵. الصافات: ۳۷: ۱۰۲
۴۶. الانعام: ۶: ۱۶۲
۴۷. الكوثر: ۱۰۸: ۲
۴۸. پرویز، غلام احمد، قرآنی فیصلے، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ-لاہور، س-ن، ج ۱، ص ۷۷
۴۹. قرآنی فیصلے ج ۱، ص ۹۹
۵۰. ترجمۃ القرآن بتصرف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن آباد-لاہور، س-ن، ج ۱، ص ۱۶۴-۱۶۵ (اس کتاب پر مفسر کا نام نہیں لکھا گیا، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ: "اس کتاب مقدس کا مفسر خود صاحب کتاب ہے، ہم مفسرین قرآن نہیں، بلکہ خادمین قرآن بتصرف آیات الفرقان ہیں۔" ملاحظہ ہو: صفحہ ۲۴۲)

۵۱. جامع ترمذی، أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، حافظ، جامع ترمذی، أبواب الأضاحی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، الدلیل علی أن الأضحیة سنة، رقم الحديث: ۱۵۰۷ ص ۱۸۰۶
۵۲. جامع ترمذی، أبواب الصوم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فی كراهیة الصوم يوم الفطر ويوم النحر، رقم الحديث: ۷۷۱ ص ۱۷۲۳
۵۳. ابن حزم، أبو محمد علی بن أحمد بن سعید، المحلی، (تحقیق: عبد الغفار سلیمان البنداری)، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۲م، کتاب الاعتکاف، ج ۳ ص ۳۱۱
۵۴. البقرة: ۲: ۱۸۷
۵۵. پرویز، مفہوم القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور، ایڈیشن دہم جنوری ۲۰۰۲ء، ج ۱ ص ۶۹
۵۶. جامع ترمذی، أبواب الصوم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فی الاعتکاف، رقم الحديث: ۷۹۰ ص ۱۷۲۵
۵۷. صحيح بخاری، أبواب الاعتکاف، باب اعتکاف النساء، رقم الحديث: ۲۰۳۳
۵۸. البقرة: ۲: ۲۷۵
۵۹. حدیث مبارکہ ہے: ("قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالْتَمَرُ بِالْتَمَرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءٌ يَدًا يَدًا فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَيُعَوَّ كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا يَدًا") النيسابوري، مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم (موسوعة الحديث الشريف، الكتب الستة)، دارالسلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الرابعة، ۲۰۰۸م، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقداً، رقم الحديث: ۹۵۳ ص ۴۰۶۳
۶۰. سرسید احمد خان، تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر، دوست الیوسی ایٹس الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ملخص صفحہ ۳۰۸ تا ۳۱۲
۶۱. پانی پتی، محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، (مترجم: مولانا سید عبدالداہم جلالی)، خزینہ علم وادب، اردو بازار، لاہور، س-ن، ج ۱، ص ۶۳
۶۲. ظفر احمد عثمانی، مولانا، احکام القرآن، (مترجم: مولانا محمد زکریا اقبال)، دارالاشاعت، اردو بازار-

کراچی، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ج ۱، ص ۶۲۶، ۶۲۱-۶۲۷، مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس امر کی بھی تفصیل سے وضاحت فرمائی ہے کہ بالغوی نہیں، بلکہ شرعی اصطلاح ہے۔

۶۳. ہود: ۱۱: ۱

۶۴. تفسیر القرآن بالقرآن، ج ۱، ص ۲۷-۲۸

۶۵. آل عمران: ۳: ۷

۶۶. البقرة: ۲: ۳۷

۶۷. ترجمہ القرآن بتریف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن

آباد-لاہور، ج ۱ ص ۳۱

۶۸. ترجمہ القرآن بتریف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن

آباد-لاہور، س-ن، ج ۱، ص ۳۱

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (<http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/>).